رکھ کر نبی کو سامنے
آرائشِ کردار کر

(نفسیاتی و فلسفانہ اخلاقی بحث سے تشکیل کردار تک)

محمد مرصاد حیدر تیمور آسوی

حمداً لک یا مسبب الاسباب و الصلاۃ و السلام علی مشفع الحساب صاحب القرآن و شارع الاسلام و علی اصحابہ الکرام و ازواجہ العظام و آلہ القوام اجمعین اما بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ صدق اللہ العظیم

بغیر کسی تذبذب کے چاہے کسی قوم سے یا مذہب سے یا کسی نظریات کا کوئی منصف مفکر ہو کسی نے بھی اگر کبھی بے مثال امام، قائد یا رہنما کی مثالیں لکھیں تو سرِ فہرست اول جناب محمد بن عبد اللہ ﷺ کو ہی رکھا کہ آپ کی ذات ہر لحاظ سے خود کو منواتی ہوئی زندگی کے ہر میدان میں اول رہی ہے اور اخلاق و کردار کی ہر اعلیٰ مثال سے آگے کے اقدام کیے ہیں یوں دنیا کے بڑے بڑے نامور، مفکرین، ماہرینِ نفسیات، ماہرینِ معاشرت، سیاسیات کے استاد ہر ایک نے جب جانانِ عالم ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا تو عاجز ہو کر قلم جھکا دیے، رائے سمیٹ لی اور اعترافِ عظمت کرتے ہوئے اپنی خاکساری کا دم بھر کر میرے حضور ﷺ کو ہمیشہ کے واسطے قابلِ تقلید اور بہترین نمونہ حیات کہہ کر خاموش ہو گئے۔

؎ چپ ہو رہا ہے کہہ کہ میں کیا کیا کہوں تجھے

اب ہم اسی نبی کریم ﷺ کی حیات سے چند ایک امثال ذکر کر کے ایک قائد ہونے کے واسطے کونسے خصائل ضروری ہیں کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں۔

اخلاق:

کسی شخص میں صفات کا پایا جانا اور پھر ان کے معلوم ہونے کو صفات کا اظہار لازمی ہے اور بس صفات کا یہی اظہار کسی شخص کا اخلاق کہلاتا ہے۔ اخلاق کسی دوسرے سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ جیسا خلق ہے برتاؤ ویسا ہی ہو گا، کوئی خلق حسنہ رکھنے والا فرد برائی کا جواب بھی اچھائی سے دیتا ہے اور دوسرے ہاتھ ایک برے اخلاق والا آدمی اچھائی کے بدلے بھی سامنے والے کا بھلا نہیں سوچتا لہٰذا اخلاق کچھ لے کر دینے کا تقاضہ نہیں کرتا بلکہ یہ خود ہی واقع ہو جاتا ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کی لغوی بحث اگر دیکھیں تو اخلاق لفظ خلق کی جمع ہے بمعنی عادت، طبیعت اور وہ اندرونی کیفیت جو انسان کے رویوں کو ظاہر کرتی ہے۔ کسی بھی کردار کی تشکیل میں اخلاق اور اخلاق کے واسطے اوصاف کا ہونا بہت ضروری ہے اس واسطے ہم صفات کے متعلق تو جان چکے اب اخلاق پر ذرا گفتگو کرتے ہیں۔ اگر جدید مغربی اصطلاح میں اخلاقیات Ethics کی تعریف کریں تو:

"Volunteer human behavior based on accepted customs and norms"

یعنی (رضاکارانہ انسانی رویے کا مطالعہ جو معاشرتی رواج اور اصولوں پر مبنی ہوتا ہے)۔

ایک اور تعریف لیجیے:

"The study of right and wrong in terms of moral behavior; what one ought to do and what one ought not to do"

یعنی (یہ اس بات کا مطالعہ ہے کہ اخلاقی رویے کے لحاظ سے کیا صحیح ہے اور کیا غلط، انسان کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے)۔

ان سب تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم ایک جامع تعریف کریں تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ: "اخلاق وہ ضابطہ ہے جو یہ بتاتا ہے کہ انسانوں کو خدا، خود اپنی ذات، دوسرے انسانوں اور پوری کائنات کے ساتھ کیا اور کیسا سلوک کرنا چاہیے"۔ بس انہی اعمال کا اظہار ہی اخلاق کہلائے گا، اگر آپ بہت اچھے ہیں مگر درخت کاٹ دیتے ہیں بلا وجہ تو یہ آپ کا صحیح اخلاق نہیں ہے نظامِ کائنات میں، اگر آپ نہایت شفیق ہیں مگر کسی کو خود سے اچھا نہیں جانتے تو آپ بااخلاق نہیں ہیں لوگوں کے معاملے میں، آپ میں سبھی خصائل موجود ہیں مگر آپ اپنے رب کی حدود کو چپکے سے پامال کرتے ہیں تو آپ اللہ کے ہاں بد اخلاق ہیں۔ لہٰذا جیسا باطن صفتِ ملائکہ ہو گا یا حیوان ہو گا تو اخلاق بھی ویسے ہی ہوں گے کہ صفات کا اظہار ہی تو اخلاق ہے۔ جیسے دیگر لوازمات میں انسان کو ایک نمونے اور رہنما کی ضرورت درکار تھی ایسے ہی اخلاقی پائداری میں بھی ایک اعلیٰ قائد چاہیے تھا لہٰذا اس کے واسطے محمد بن عبد اللہ ﷺ سے بڑھ کوئی بھی منبع اخلاق نہیں آیا اور نا ہی آئے گا اب ہمارے واسطے تمام حجتیں انہی کے اسوہ میں ہیں۔ اس کی نوید خود سرکار ہر عالم نے سناتے ہوئے ارشاد فرمایا: "إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ "یعنی "مجھے صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اخلاق کے اعلیٰ درجے کو مکمل کروں"۔ [1]

ہم خلق کے مختلف اظہار کی بنا پر دیکھتے ہیں کہ اس کی بنیادی تین اقسام ہوتی ہیں جن کی پابندی لازمی ہے:

1. پہلی قسم: اخلاق مع اللہ (انسان اور اللہ کے درمیان اخلاق)۔ اس میں توحید، توکل، خشوع، اور اللہ کی رضا کے لیے عمل جیسی صفات شامل ہیں۔
2. دوسری قسم: اخلاق مع الخلق (انسان اور دوسرے انسانوں کے درمیان اخلاق) اس میں صبر، انصاف، درگزر، اور پاکیزہ دل جیسی صفات شامل ہیں۔
3. تیسری قسم: اخلاق مع النفس (انسان کا اپنے نفس کے ساتھ اخلاق) اس میں کام کو احسن طریقے سے کرنا، وقت کی پابندی، اور خود احتسابی جیسی صفات شامل ہیں۔

کوئی بھی شخص اپنے اخلاق سے مبرا یا آزاد نہیں ہو سکتا یہ تقسیم ہو چکی ہے اور ہر کسی کو اس کی خلق ودیعت کی جا چکی ہے جیسا کہ ملاحظہ کریں:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ "یعنی "اللہ نے تمہارے اخلاق تمہارے درمیان اسی طرح تقسیم کیے ہیں جیسے تمہاری روزیاں تقسیم کی ہیں"۔ [2] ثابت ہوتا ہے کہ انسان کچھ خصلتیں لے کر پیدا ہوتا ہے اور کچھ کسبی ہوتی ہیں لہٰذا ایسا ممکن نہیں کہ کوئی اپنی اخلاقیات کو بدل نا سکے، اچھے سے برا نا ہو سکے یا برائی سے راست نا ہو

---

[1] الادب المفرد لامام البخاری،حدیث:273

[2] مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، حدیث: 4994

پائے۔ اس لیے یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ چاہے تو خود کو بگاڑے ی سنوارے البتہ کسی بھی فرد کو چاہیے کہ وہ اخلاق حسنہ کے متعلق آگاہی حاصل کرے، سیکھے اور عمل کرنے کی مشق کرے۔ لہٰذا ہم یہاں اخلاقی تشکیل کے چار ذرائع بیان کرتے ہیں۔

1. علم (نظری تعلیم): پہلا قدم یہ ہے کہ انسان سیکھے کہ کون سی صفت اچھی ہے اور کیوں۔ کن صفات کے اظہار میں کوئی نمونہ بن سکتا ہے کسی کو متاثر کر سکتا ہے اور کونسی خوبیاں انسان کو ایک رہنما بناتی ہیں۔ قرآن سے اصول لے اور سیرہ سے عملی مثالیں اخذ کرے۔
2. اسوہ حسین (کردار کے نمونے): دوسرا قدم یہ ہے کہ انسان اپنے سامنے اچھے نمونے رکھے۔ سب سے بڑا نمونہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: "وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ "یعنی "اور بے شک تم اخلاق کے بہترین درجے پر ہو"۔ (3)
3. مشق اور تجربہ (عملی تربیت): تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں ان اخلاقی صفات پر عمل کرے۔ غصہ آئے تو اسے روکے، جھوٹ بولنے کا موقع آئے تو سچ بولے۔ یہ مشق اور تکرار کے ذریعے عادت بن جاتا ہے۔
4. دعا: چوتھا اور سب سے اہم ذریعہ دعا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود دعا کرتے تھے: "اللهم اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ "یعنی "اے اللہ! مجھے بہترین اخلاق کی طرف ہدایت فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی بہترین اخلاق کی طرف ہدایت نہیں دے سکتا"۔ (4)

جیسا کہ ہم نے صفات کے عنوان میں مذہب، نفسیات و فلسفہ تینوں کے تحت الگ الگ طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی تو یہاں پر ہم ان تینوں کو ساتھ لیتے ہوئے بحث جاری رکھیں گے۔ انسانی عقل کے مطابق اگر ہم اخلاقیات کی بحث کو پڑھیں مطالعہ کریں تو ہمیں فلسفے میں اس کا سیر حاصل مواد مل جاتا ہے۔ قدیم یونانی فلسفے میں اس پر بہت کچھ درج ہوا اور فلسفیوں نے اس کے متعلق اپنی اپنی آراء سے اس موضوع کو مزین کیا۔ ذیل میں کچھ کے متعلق ملاحظہ کریں:

افلاطون کے نزدیک "خیر (Good) "ایک اعلیٰ اور مطلق حقیقت ہے۔ اس دنیا کی تمام چیزیں اس اعلیٰ خیر کی نامکمل نقلیں ہیں۔ اخلاق کا مطلب ہے اپنی زندگی کو اس اعلیٰ خیر کے مطابق ڈھالنا۔ افلاطون نے چار بنیادی فلسفیانہ خوبیاں (cardinal virtues) بیان کیں: حکمت(Wisdom)، شجاعت(Courage)، احتیاط(Temperance)، اور انصاف(Justice)۔

ارسطو نے اپنے استاد افلاطون سے ہٹ کر ایک مختلف نقطہ نظر پیش کیا۔ اس کے نزدیک اخلاق کا مقصد "سعادت (Eudemonia) "ہے جس کا مطلب ہے خوشحال اور کامیاب زندگی۔ یہ سعادت محض خوشی یا لذت کا نام نہیں بلکہ اپنی فطری صلاحیتوں کو مکمل طور پر بروئے کار لانے کا نام ہے۔ اس نے "فضیلت اخلاقیات (Virtue Ethics) "کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے مطابق فضیلت دو انتہاؤں کے درمیان

---

(3) سوره القلم، 68:4
(4) سنن نسائي، كتاب الافتتاح، حديث: 897

میانہ روی ہے۔ مثال کے طور پر: خوف کے معاملے میں بزدلی اور لاپرواہی کے درمیان میانہ روی شجاعت ہے؛ خواہشات کے معاملے میں حسیت اور بے حسی کے درمیان میانہ روی احتیاط ہے؛ مال کے معاملے میں تنگ دستی اور اسراف کے درمیان میانہ روی سخاوت ہے۔

ارسطو کے مطابق فضیلت اکتسابی ہے، یعنی انسان مشق اور عادت سے یہ خوبیاں اپنا سکتا ہے۔ جیسے کوئی شخص مشق سے موسیقار بن جاتا ہے ویسے ہی مشق سے نیک اور بااخلاق بن جاتا ہے۔ ارسطو کہتا ہے:

"The virtues we get by first exercising them, as also happen in the case of the arts as well. For the things we have to learn before we can do them, we learn by doing them, e.g. men become builders by building and lyre players by playing the lyre; so too we become just by doing just acts, temperate by doing temperate acts, brave by doing brave acts". [5]

ارسطو مزید وضاحت کرتا ہے کہ اخلاقی خوبیاں نہ تو فطری طور پر آتی ہیں اور نہ ہی فطرت کے خلاف ہوتی ہیں بلکہ انسان انہیں حاصل کرنے کی فطری صلاحیت لے کر پیدا ہوتا ہے اور عادت سے انہیں مکمل کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"Neither by nature, then, nor contrary to nature do the virtues arise in us; rather we are adapted by nature to receive them, and are made perfect by habit". [6]

ایک نظر اگر جدید فلسفے کی جانب دوڑائیں تو اس میں صرف امانوئل کانٹ (Immanuel Kant) کا نظریہ پیش کرنا ہی کافی سمجھوں گا کہ اسی سے ہمارا مدعا واضح ہو جاتا ہے۔ کانٹ نے اخلاقیات کو عقل پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ اس کے مطابق اخلاقی اصول عالمگیر ہونے چاہئیں۔ اس نے اپنا مشہور "مطلق حکم (Categorical Imperative) "پیش کیا۔ کانٹ کے مطابق اخلاقی اصول کا تجربہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ایک "metaphysics of morals" ہے۔ [7]

کانٹ کے مطابق اخلاقی عمل کا تعلق اس کے نتائج سے نہیں بلکہ اس "نیّت (good will) "سے ہے جس کے تحت وہ عمل کیا گیا ہے۔ ایک عمل اخلاقی ہے اگر وہ فرض (duty) کے تحت کیا گیا ہو نہ کہ محض خواہش یا لذت کی خاطر۔ کانٹ کا کہنا ہے کہ فرض کا تصور تجربے سے نہیں آتا . "The concept of duty is not a concept of experience" [8]

---

[5] (Aristotle, Nicomachean Ethics, Book II, Chapter 1, translated by H. Rackham, Perseus Tufts)

[6] (Aristotle, Nicomachean Ethics, Book II, Chapter 1)

[7] (Kant, Groundwork of the Metaphysics of Morals, Section II, Cambridge University Press, 2012, edited by Sally Sedgwick)

[8] (Kant, Groundwork of the Metaphysics of Morals, Section II, Cambridge University Press, 2012, p. 406, edited by Sally Sedgwick)

اس نظریے سے بھلے کوئی اختلاف کرے مگر ہم جو اخذ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ایک مسلمان کا با اخلاق رہنا اس کا فرض ہے، ذمہ داری ہے تجربات بھلے جیسے بھی ہوں، ماحول چاہے جیسا بھی ہو اسے ہر لمحہ ان اصولوں پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اور چلتے چلتے طائرانہ نگاہ نفسیات پر ڈالیں تو کسی شخص کا مزاج اس کے اخلاق وصفات کا ثبوت ہوتا ہے اور مزاج (Temperament) وہ جبلّی (heritable) خصوصیات ہیں جو وراثت میں ملتی ہیں۔ یہ زندگی بھر نسبتاً مستحکم رہتی ہیں۔ مزاج کا تعلق "percept-based habits and skills" ادراک پر مبنی عادات اور مہارتیں) سے ہے۔ [9]

موضوع کو طوالت سے بچاتے ہوئے ہم اخلاقیات کی اس بحث کو یہی سمیٹتے ہوئے آخر میں یہی کہنا چاہیں گے کہ صفات کے اظہار میں جو رویہ کسی شخص کا ظاہر ہوتا ہے اور جس مزاج سے وہ باقیوں کے ساتھ روابط بناتا ہے وہ اس کا اخلاق ہے جس کی تکمیل کے واسطے اسے رسول اللہ ﷺ کی پیروی از حد ضروری ہے تاکہ تاعمر وہ اس حسن کو برقرار رکھ سکے اور بحیثیت مسلمان کسی کی بھی زندگی میں جیسا بھی وقت یا گھڑی آجائے اسے ان اصولوں پر کاربند رہنا ہے مفر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

کردار:

ہم نے صفات سے لیکر اخلاق تک کا سفر دیکھا اب ہم حتمی نتیجے کی جانب بڑھتے ہیں اور وہ ہے کردار کہ کیسے صفات انسان کے خلق کو وجود دیتی ہیں اور خلق سے کردار کیسے بنتا ہے، اسی کردار کے سبب کوئی بدماش، رذیل یا جاہل ہوتا ہے اور اسی کردار کے سبب کوئی شریف، محسن اور رہنما بنتا ہے۔ ایک قائد ایک لیڈر کیوں باقی لوگوں سے مختلف ہوتا ہے؟ اس کی پیروی کیوں کی جاتی ہے؟ ایک لیڈر کو لوگ ایلفا کیوں سمجھتے ہیں؟ یہ سب انہی تین چیزوں کی بدولت ہے جس میں ان محاسن کی تکمیل ہو جائے پھر وہی اقوامِ عالم کی رہنمائی کا بیڑہ اٹھاتا ہے۔ ایک عام آدمی کی کسی مشکل وقت میں فیصلہ سازی کی قوت متاثر ہو جاتی ہے جب تناؤ کا تناسب بڑھ جاتا ہے تو حواس باختہ ہو جاتا ہے، اور قوتِ برداشت جواب دینے لگتی ہے ایسا لگتا ہے مانو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہو، کان سننے سے عاجز آگئے ہوں اور زبان قوتِ گویائی سے محروم ہو چکی ہو ایسے لمحات میں خود کو سنبھالنا اور اپنے ہمراہ اپنی رعایا کو محفوظ رکھنا صرف اسی شخص کا خاصہ ہے جس میں قائدانہ صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں، وہ ایسی صورتحال میں فوراً درست فیصلہ لیتا ہے، وہ فیصلہ کسی بھی نوعیت یا کسی بھی حد تک جا سکتا ہے اور بڑے فیصلے بلاشبہ بڑے سینوں سے ہی نکلتے ہیں، تاریخ میں جن لوگوں نے بڑے فیصلے لیے ہیں وہ جرات، دلیری، جواں مردی جیسی صفات سے لبریز ہوتے ہیں اسی لیے بقیہ لوگ بس ایسوں کے تحت رہ کر ہی کام کرتے ہیں کیوں کہ ان میں وہ تمام صفات کلیۃً موجود نہیں ہوتی جو ایک رہنما میں ہوتی ہیں۔

---

[9] (Cloninger CR, "Temperament and personality", Current Opinion in Neurobiology, 1994)

ایک سردار بہت سے مراحل سے گزرنے کے بعد ایسے مقام پر پہنچتا ہے جس میں عوام زیر و زبر ہو رہی ہوتی ہے کہ کسی عمل کے نتیجے میں جب محرکات پیدا ہوتے ہیں تو رہنما پر بہت سے پہاڑ ٹوٹتے ہیں جن میں نفسیاتی دباؤ، ایموشنل ٹیگ، جیسے حربے بھی اس پر آن پڑتے ہیں ایسے میں خود کو صابر رکھنا اور اپنے نظریات پر قائم رہنا ہی سرداری ہے، کہ جب آپ کے پاس طاقت بھی ہو ایکشن لینے کی بھرپور صلاحیت بھی ہو پھر بھی آپ موقع و محل دیکھتے ہوئے حکمت بھرا قدم اٹھائیں تو یہی وہ خصائل ہیں جو عوام اور قائد میں تفریق کرتے ہیں۔

اسے ایک انداز میں سمجھیں تو یوں ہے کہ محرکات و مراحل سے دماغ تک کا جو سفر رہنما طے کرتا ہے وہ درج ذیل ہے:

1. پہلا مرحلہ stimulus محرک: باہر کی دنیا سے کوئی معلومات ہمارے حواس (آنکھ، کان، ناک، زبان، جلد) تک پہنچتی ہے۔ مثلاً: کوئی شخص ہمیں برا بھلا کہتا ہے۔
2. دوسرا مرحلہ emotional tag جذباتی نشان: یہ معلومات دماغ کے amygdala نامی حصے تک جاتی ہے جو اسے فوری طور پر "خطرہ" یا "انعام" کے طور پر لیبل لگاتا ہے۔ اس مرحلے پر adrenaline اور noradrenaline جیسے کیمیکلز متحرک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ہمیں گالی دے تو جسم میں adrenaline دوڑ جاتا ہے، دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے – یہ "fight or flight" رد عمل ہے۔
3. تیسرا مرحلہ reflection غور و فکر: معلومات پھر prefrontal cortex دماغ کا سامنے والا حصہ) تک جاتی ہے جو سوچ، استدلال، اور فیصلہ سازی کا مرکز ہے۔ یہاں ہم سوچتے ہیں: "کیا واقعی غصہ کرنا ٹھیک ہے؟ کیا یہ شخص جان بوجھ کر کہہ رہا ہے؟" اس مرحلے پر serotonin اور dopamine کام کرتے ہیں۔
4. چوتھا مرحلہ decision فیصلہ: غور و فکر کے بعد ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔ یہ فیصلہ ہمارے اخلاق، تربیت، اور ایمان پر منحصر ہوتا ہے۔
5. پانچواں مرحلہ action عمل: فیصلے پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ ہم یا تو غصے میں جواب دیتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں یا اچھے انداز میں جواب دیتے ہیں۔

قرآن کریم نے اس پورے عمل کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

- محرک کے لیے: "قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ" (اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں وہ کہتے ہیں وہ تمہیں غمگین کرتی ہیں)۔[10] یہاں اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا رہے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ مشرکین کی باتیں آپ تک پہنچ رہی ہیں (stimulus) اور وہ آپ کو دکھ پہنچا رہی ہیں(emotional tag) ۔

[10] سورہ الانعام، 6:33

- جذباتی نشان کے لیے: " وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ" (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں)۔[11] یہ اس جذباتی رد عمل کو ظاہر کرتا ہے جب انسان کو اپنی غلطی بتائی جائے۔
- غور و فکر کے لیے: " وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ" (اور وہ لوگ جو جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں)۔[12] یہ reflection کا وہ مقام ہے جہاں انسان غور کرتا ہے کہ اس نے کیا کیا اور پھر توبہ کا فیصلہ کرتا ہے۔
- فیصلہ سازی کے لیے:" اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ " (اور وہ لوگ جو اپنے رب کی طرف لوٹیں گے اور جو اچھا کام کریں گے)۔[13] یہ فیصلے کی کیفیت ہے۔
- عمل کے لیے:" اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ " (بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے)۔[14] یہ عمل کا نتیجہ ہے کہ نماز جیسا مثبت عمل انسان کو برائیوں سے روکتا ہے۔

کس طرح ایک آدمی یا انسان ان تمام مراحل کو عبور کرتا ہے قرآن نے اس کی وضاحت کر دی اور اصول دیے کہ ایسے حالات میں کیوں کر کوئی قائد بن سکتا ہے اور کون اس صلاحیت سے محروم رہ سکتا ہے۔ چونکہ قرآن کا عملی نمونہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے تو ان کی سیرت سے ہمیں رہنمائی لینا ضروری ہے۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو بیشتر ایسے مواقع دیکھنے کو ملتے ہیں جب آپ نے بہترین قائدانہ مثالیں پیش کی۔ ملاحظہ کریں؛

ایک شخص[15] نبی کریم ﷺ کی مبارک گردن میں ایک کپڑا ڈال کر دباتا ہے، اس دوران صحابہ کی جماعت غصے میں آتی ہے مگر حضور انہیں روک دیتے ہیں۔ لہٰذا قوت ہونے کے باوجود کسی سے درگزر کرنا ایسا وصف ہے جو بڑی جنگ و فتنے سے محفوظ رکھتا ہے[16]، ایک اور

---

(11) سورہ البقرہ، 2:11

(12) سورہ آل عمران، 3:135

(13) سورہ ہود، 11:23

(14) سورہ العنکبوت، 29:45

(15) "سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو ، عَنْ أَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ:" رَأَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي ، فَوَضَعَ رِدَاءَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ بِهِ خَنْقًا شَدِيدًا ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَفَعَهُ عَنْهُ ، فَقَالَ: أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ: رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ " (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مشرکین مکہ کی سب سے بڑی ظالمانہ حرکت کے بارے میں پوچھا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی تھی تو انہوں نے بتلایا کہ میں نے دیکھا کہ عقبہ بن ابی معیط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، اس بدبخت نے اپنی چادر آپ کی گردن مبارک میں ڈال کر کھینچی جس سے آپ کا گلا بڑی سختی کے ساتھ پھنس گیا۔ اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور اس بدبخت کو دفع کیا اور کہا کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور وہ تمہارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے) (صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة، حديث: 3678)

مقام پر ایک دیہاتی جاہل گنوار[17] نے رسول اکرم ﷺ کی چادر مبارک کو کھینچا جس سے جناب رسالت مآب ﷺ کو تکلیف بھی پہنچی مگر جان جاناں ﷺ نے در گزر فرمایا کیوں کہ جدھر رسول اللہ ﷺ جاہلیت کی جنگوں کی نفی کرنے آئے تھے جہاں لوگ ذرا ذرا سی بات پر قتل ہو جایا کرتے تھے وہیں اگر خود ان چونچلوں میں الجھ جاتے تو آپ کیسے بہتر قائد کی مثال بنتے لیکن حضور کے لیے یہ محال تھا کہ آپ کا کوئی فعل ذرہ برابر بھی نقص والا ہو آپ تو کامل و اکمل اخلق ہیں، آپ کے اس عمل سے سمجھیں کہ:

- ایک بدو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کھینچی جس سے آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ یہ ایک شدید stimulus تھا۔
- صحابہ غصے میں آ گئے اور چاہتے تھے کہ اس شخص کو سزا دی جائے۔ یہ emotional tag تھا۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا یہ شخص جاہل ہے، دیہاتی ہے، غصے میں ہے۔ اچھا جواب کیا ہو گا؟ reflection کی تکمیل۔
- آپ نے فیصلہ کیا کہ نرمی سے پیش آنا ہے اور اسے سمجھانا ہے۔ یہ decision تھا۔
- آپ نے مسکرا کر اسے کچھ دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ یہ آپ کا عمل تھا۔

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کے لمحے میں فوری جواب نہیں دیا بلکہ سوچا، پھر فیصلہ کیا، پھر بہترین عمل کیا۔

اس طرح اگر ہم مزید جان عالم ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو اور بھی مثالیں ملتی ہیں جو کسی قائد کی تعمیر شخصیت کے لیے کافی ہوں گی، چند ایک ملاحظہ کریں:

جب مسلمانوں نے خندق کھودنے کا فیصلہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سب سے پہلے بیلچہ اٹھایا اور کام شروع کیا۔ آپ نے اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر کام کیا، کبھی حکم نہیں دیا کہ تم کرو میں دیکھتا ہوں۔ یہ جدید قائدانہ اصول "lead by example" کی بہترین مثال ہے۔ مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی قائد کوئی رہنما ایسا نہیں ملتا جس کے قلب میں اقتدار کا طمع نہ ہو بہت کم ایسے لوگ باقی رہے جو بے لوث اپنی عوام کی خدمت کرتے ہیں، ریاست کے قائدین سے لے کر خانقاہوں کے پجاریوں تک اور مسجد کے منتظم سے لیکر گھر کے سربراہ تک سبھی اگر کچھ چاہتے ہیں تو اپنی غیر مشروط اطاعت جس میں دنیا و دین کا کوئی معاملہ آپ کو ان کے سامنے جھکنے سے روک نا سکے، آج باقی ہے تو فقط ذات پروری، انسان دوجے انسان پر اس لیے حاکم ہے کہ ایک پست خاندان میں پیدا ہوا دوجا اعلیٰ خاندان میں، ایک کا گھرانہ سیاسی تھا دوجے کا غریب، ایک خانقاہ کے مجاور کا صاحبزادہ تھا دوجا کسی ماں کی دعائیں لینے والا فقیر غرض جو تعصبات و امتیازات کے صنم میرے مصطفیٰ ﷺ نے توڑے تھے وہ پھر سے قائم ہو گئے ہیں اور ہم نے ان کی محنتوں کا یہ صلہ دیا کہ

ترے قدموں کو جو منزل کا نشان جانتے تھے

---

[16] یہ ابتدائے اسلام کا دور تھا اس لیے در گزر جیسی مصلحت اپنائی گئی اور اس بدفعال شخص یعنی عقبہ بن ابی معیط کو جانے دیا مگر جب اسلام نے غلبہ پایا تو میدان بدر کے اندر اس خبیث الذات کو قتل کر کے کنویں میں پھینک دیا گیا تھا۔ اسلام اپنا قرض نہیں رکھتا بھلے نیکی کا ہو یا کسی کی خباثت کا بدلہ لیتا بھی ضرور ہے اور دیتا بھی ضرور ہے۔ دیکھیے: (صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، حديث: 4650)

[17] دیکھیں (صحيح البخاري، كتاب اللباس، حديث: 5809)

بھول بیٹھے ترے نقش کفِ پا تیرے بعد

مزید یہ کہ حدیبیہ میں جب صحابہ کو صلح کی شرائط سخت لگیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کا جواب غصے سے نہیں دیا بلکہ صبر سے سمجھایا اور پھر آپ نے خود اپنی قربانی پہلے ادا کی یعنی کہ قائد کا عمل اول ہوتا ہے باقی رعایہ اس کے تابع ہوتی ہے، قائد کا ہر عمل حکمت بھرا ہونا چاہیے کہ اس پر منحصر لشکر کی بقا ہوتی ہے۔ یہ سیر وٹونن[18] کے اعلیٰ سطح کا نتیجہ تھا۔ کم سیر وٹونن والا شخص فوراً جوابی حملہ کرتا، اعلیٰ سیر وٹونن والا شخص تحمل اور حکمت سے کام لیتا ہے۔ اور جب قائد اس پائے کا ہو اور اعلیٰ نفسیات کا متحمل شخص ہو تو پھر اس کے پیروکار بھی اسی جنون و جذبے سے اس کی اقتداء کرتے ہیں کہ دنیا ان کی مثالیں ڈھونڈنے سے عاجز آ جاتی ہے اور ایک عام کارکن بھی اسی جنون کی تمنا کرتے ہوئے یہی آرزو کرتا ہے کہ

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

غزوہ بدر میں ہم دیکھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ لیا، حضرت مقداد اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما سے رائے لی، اور پھر اجتماعی فیصلے پر عمل کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں باہر میدان میں لے کر چلیں ہم قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو ہر گز تنہا نہیں چھوڑیں گے بلکہ جدھر، جب جیسے کہیں گے پروانہ وار آپ پر فدا ہوتے رہیں گے۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی است

آپ ﷺ نے کبھی اپنی رائے کو سب پر مسلط نہیں کیا۔ بلاشبہ ایک قائد حقیقی وہی ہے جس کے دل میں رعایا کا غم، سوز اور لطف ویسے ہی موجود ہو جیسے وہ خود کے واسطے پسند کرے، اور ہمیشہ اپنی عوام کو اپنے ساتھ لے کر چلے تاکہ ان پر مسلط ہو جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آقائے عالم ﷺ نے ہمیشہ ایسی مثالیں پیش کیں ہیں جو کسی طور بھی غیر عدل نہیں بلکہ ہمیشہ دنیا کے واسطے مشعل راہ ہی رہی اور انہی کے دم سے انہی پر عمل کرنے والوں نے آج تک سرداری کی اعلیٰ مثالیں تاریخ میں رقم کروائی ہیں۔

---

[18] Serotonin is a vital chemical messenger, functioning both as a neurotransmitter in the brain and a hormone in the body, that regulates mood, behavior, and various physiological functions. It is synthesized from the essential dietary amino acid tryptophan; approximately 90% is produced and located in the cells of the gastrointestinal tract, while the remaining 10% is manufactured in the raphe nuclei of the brainstem. In the mind, serotonin stabilizes mood, regulates sleep cycles, and impacts anxiety; in the body, it controls bowel movements, triggers nausea, assists in blood clotting, and influences bone density.

ہماری ذمہ داریاں:

جب ہم صفات سے لیکر تعمیر کردار تک تمام ابحاث سے گزرتے ہوئے یہ جان لیتے ہیں کہ بحیثیت انسان، عقل اور پھر مسلمان ہم کس واسطے یہاں دنیا میں آئے ہیں اور ہمارا مقصدِ وجود کیا ہے تو اب ہم پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اب ہم پر وہ بار آن پڑتا ہے جسے اٹھانے سے کائنات نے منع کر دیا تھا، اب اس خلافت و نیابت کا بوجھ ہمارے کاندھوں پر آجاتا ہے جس کے واسطے ہم پیدا ہوئے ہیں۔ اسے مختصر انداز میں ہم سمجھیں تو یہ ذمہ داریاں درج ذیل ہیں جن کو ہم پانچ اعداد میں تقسیم کرتے ہیں:

1. امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: "وَ لۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ " (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے)۔[19] یہاں ایک بات بہت قابل غور اور تفریق کی ہے کہ بڑے عمل سے قبل تربیت بہت ضروری ہے اسی لیے قرآن نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اول خیر کی جانب بلاؤ اور اسی خیر جو احکاماتِ خداوند ہیں کی جانب بلانا یعنی ان کی تعلیم دینا ہی تربیت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے 13 سال فقط صرف کر دیے اور اسی تربیت کے نتیجے میں مدینہ کی ریاست کی دس سالہ بنیاد استوار ہوئی اور بغیر کسی زحمت کے صحابہ نے حضور ﷺ کی پیروی میں گردنیں پیش کیں مگر یاد رکھیں کہ اس خیر کی تبلیغ کے بعد ہی فریضہ ختم نہیں ہوتا بلکہ اصل جو کام کرنے کا ہے وہ یہ کہ اب اس نظام کے واسطے اٹھ کھڑے ہو جاؤ جس کے واسطے یہ سارا میدان سجایا گیا ہے تربیت کی گئی ہے اور اب کھرے کھوٹے کی تمیز کے بعد دنیا میں جدھر کہیں برا ہوتے دیکھا جائے یا کہیں اچھا کرنے کا موقع ملے تو ضرور بہ ضرور اس میں پیش قدمی کرنی ہے۔ اور ہر جابر، ظالم و فاسق کو روکنے کے واسطے اسوہ حسین رضی اللہ عنہ پیش کرنا ہے ہمیں اپنی کربلا آپ سجانی ہے اور جب جب ہمیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو وہاں معروف کا حکم دینا ہے کسی پر دین کو تنگ نہیں کرنا اور نا ہی باطل سے مصالحت کر کے دین کا کوئی حکم ہی چھپانا ہے بلکہ حق و باطل کو جدا جدا رکھتے ہوئے اس آفاقی نظام کو قائم کرنے میں کوئی قصر اٹھا نہیں رکھنی۔ بس اس جہانِ مدو جزر میں یہی کام ہیں مردوں کے کرنے کے اور ایک مسلمان تو پیدا ہی اس لیے ہوتا ہے کہ بدل دے نظام۔ حقیقت ہے کہ یہ رمز اسی پر آشکار ہوتے ہیں جو قائدانہ مزاج رکھتا ہو ورنہ تو فقط عمر بھر تبلیغ کرتے رہنے میں مصروف رہنا اور عملی کوئی قدم نا اٹھانا اور نا ہی بڑا فیصلہ لینا چہ معنی دارد؟ جبکہ انسان کا مقصدِ وجود ہی سراسر امامت ہے خلافت کا حصول اور پھر اس کا نفاذ ہے اور کسی طور بھی یہ ممکن نہیں ہے کسی پر خلافت کا بوجھ آن پڑے وہ امامت کے مفہوم سے آشنا ہو جائے تو بھی چین کی نیند سو سکے۔ نہیں بلکہ پھر تو زندگی ہر لمحہ دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہو جاتی ہے کہ

---

[19] سورہ آل عمران، 3:104

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

کسی رہنما کے لائق ہر گز یہ نہیں کہ وہ گھٹیا یا پنچ نفسیات کا مالک ہو بلکہ اصل قائد وہی ہے جس میں تحمل، حلم، بردباری اور حکمت کا چلن ایسے روانی سے قائم ہو جیسے اس کی رگوں میں دوڑتا خون ہوتا ہے اور اس کی گفتار میں حق گوئی و بے باکی موجود ہو وہ کسی آنے والی طاقت سے نہ گھبراتا ہو بلکہ اپنے تشخص کی بقا کی خاطر کسی مفلس کے سامنے عاجز آنے اور کسی ظالم و متکبر کے سامنے تکبر کرنا جانتا ہو اور جب وہ بات کرے جب تقریر کرے تو ہر گز بھی اس میں مداہنت موجود نہ ہو بلکہ دلوں کو گرما دینے والی جرات، ہزاروں سے لڑ جانے والی ہمت اور سمندر میں گھوڑے دوڑا دینے والا توکل ہو اور وہ ہر لمحہ ایسے باخبر ہو اپنے فرائض سے کہ

دے کر احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

ایک رہنما خود جیسے بھی حالات میں رہتا ہو وہ اپنے ساتھ والوں کو پُر جوش و پر سکون ہی رکھتا ہے، مال و دولت جاہ و جلال کے باوجود دل غنی رکھتا ہے اور کبھی کسی اور خارجی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نام نہاد خبیث، جاہل اور بدتر، نالائق، نا اہل حاکم اپنی گندی طبیعت کی بدولت مسلمانوں کا تشخص خراب کرتے ہیں اور اغیار کو خوش کرنے کے واسطے اسلام کی دھجیاں بکھیرتے ہیں جبکہ ایک حقیقی امام و حاکم وہی ہے جو کسی طور دین کا مزاج بدلنے نہ دے اسلام کی انا کو ماند نہ پڑنے دے اور جو کوئی بھی اس کی پاسداری کرے وہی امام برحق ہے وگرنہ

فتنہ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

2. عدل: دنیا میں بارہا یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک نسل جیسے تیسے کر کے اقتدار میں آتی ہے تو باقی کی پشتیں اس پر عیاشی کرتی ہیں اور یوں اقتدار فقط کسی ایک خاندان کی جاگیر بن کر رہ جاتا ہے۔ اور پھر اس کا استعمال اپنا کاروبار پھیلانے، محفوظ کرنے اور اپنے خاندان کی بقا کے واسطے ہی رہ جاتا ہے، یاد رہے کہ اپنے کسی قریبی کو کوئی عہدہ دینا بری بات نہیں اور نہ ہی ممنوع ہی ہے مگر اس غرض سے دینا کہ وہ آپ کے اقتدار کو باقیوں پر مسلط کرنے کے کام آئے بہر حال ناجائز ہے، جبکہ کسی مخلص رہنما کی کوشش ہمیشہ عدل کی ہوتی ہے جیسا کہ ہمیں قرآن سے حکم ملتا ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ" (بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو)۔[20] یہاں ایک بات یاد رکھیں کہ عام حالات میں عدل و انصاف

---

[20] سورہ النساء، 4:58

ایک ساتھ بولا جاتا ہے اور اسے ایک ہی سمجھا بھی جاتا ہے لیکن پورا قرآن دیکھیں تو کہیں بھی انصاف کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ عدل کا حکم ہی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ تو جان لیں عدل عین فطرہ ہے استحصال کا خاتمہ ہے جبکہ انصاف مشروط ہے اور اس میں عدل کے سبھی پیمانے نہیں ہیں یہ کبھی صحیح اور کبھی غلط ہو سکتا ہے جبکہ عدل اپنی اصل میں ہی درست ہے۔ مثال سے سمجھیں کہ دو روٹیاں ہیں اور کھانے والوں میں ایک جوان آدمی ہے اور ایک چھوٹا بچہ ہے، اب انصاف کا تقاضہ یہ ہو گا کہ دونوں کو آدھی آدھی روٹی دی جائے جبکہ عدل اس بات کا، متقاضی ہے کہ چھوٹے کو آدھی اور بڑے کو ڈیڑھ روٹی دی جائے کیوں کہ بچہ اتنی ہی کھائے گا باقی ضائع کرے گا جبکہ بڑے کو زیادہ کی ضرورت ہے اور یوں دونوں کی ضرورت پوری ہو گئی جبکہ انصاف جو کہ نصف سے ہے پر عمل کیا جائے تو بڑے کی کفالت نا ہو پائے گی اور چھوٹا آدھی روٹی کھا کر باقی خراب کرے گا یوں ایک استحصال پیدا ہوا جس کے سبب آگے چل کر مزید نقصان ہوں گے۔ قائد حقیقی کی یہی پہچان ہے کہ وہ حقدار کو اس کا حق دیتا ہے نا کہ وسائل کسی نااہل کے ہاتھوں برباد کروا دیتا ہے۔

3. **علم کا حصول:** یہ سب سے ضروری عنصر ہے کہ اس کے بغیر ساری بحث بے سود ہے جب کوئی شخص علم نہیں رکھتا تو وہ کسی صورت دوسروں کے مسائل سے واقف نہیں ہو سکتا تو ایسے میں کیوں کر ایک عادل حاکم یا پھر خلق خدا کے کام آ سکتا ہے؟ لہٰذا اپنے دور کے پیش آندہ مسائل کا علم ہونا اور ان کے حل کے واسطے ایک معتدل راستے کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اور علم فقط کتب کا مطالعہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ بھی ہے جو دنیا کے رویے، تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ کتب کے عالم سے بہتر انتظامی صلاحیت کسی جاہل کی ہو جو کتابوں سے بھی واقف نا ہو۔ لیکن نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے واسطے کتابوں کا مطالعہ اور نت نئے نظریات کا مطالعہ بھی از حد ضروری ہے لیکن آج کے وقت میں یوٹیوب، سوشل میڈیا سے دین سیکھنے والی اور نظریات لینے والی قوم کیوں کر کوئی بہتر نظریہ و لائحہ عمل دینے کی صلاحیت رکھ سکتی ہے؟ بلکہ بات اسی پر ختم کرنے کی ہے کہ "قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ" (تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان؟)۔[21]

4. **صدقہ و خیرات:** کسی تحریک کے رہنما یا کسی قائد کے واسطے یہ بھی ایک چیلنج ہے کہ وہ اس گروہ جس کی قیادت کر رہا ہے کے اخراجات کیسے پورے کرے گا؟ چونکہ حاکم کا مقصد وسائل کی درست فراہمی ہوتا ہے نا کہ وہ خود سے دولت یا وسائل پیدا کر کے دے بلکہ لوگوں کے پیدا کردہ وسائل کو درست سمت دے کر لوگوں میں ہی تقسیم کرتا ہے اس کے واسطے بیت المال قائم کیا جاتا ہے اور مختلف حلال و جائز طریقوں سے اس میں دولت جمع کی جاتی ہے لیکن اسلام میں فقط انہی وسائل تک محدود رہنے کی بات نہیں ہے بلکہ یہاں ایثار کی اعلیٰ اقدار موجود ہیں جن میں لوگ فی سبیل اللہ اپنا مال خواہ صنعت، کھیتی، دولت کی صورت میں ہو یا علم ہی ہو صلاحیتیں ہی ہوں ان کو اسلام کی بقا اور اپنے قائد کی سہولت کے واسطے خرچ کرتے ہیں۔ یوں قرآن بھی ہمیں اس کی

---

[21] سورہ الزمر، 39:9

ترغیب دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ " وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ" (اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔[22]

5. **اخلاق کی بلندی:** نفسیات کا تقاضہ ہے کہ انسان نے ہمیشہ اپنے سے اعلیٰ کو سراہا ہے اب وہ چاہے دولت میں ہو مرتبے میں ہو جاہ و حشمت میں ہو اس سے نیچے کے درجہ والوں نے بڑے کی پیروی کی ہے، اس بڑے نے اپنے بڑے اور یوں یہ سلسلہ چلتا ہے اسی لیے توہمیشہ سے انسان کے افکار میں بے شمار تغیر آئے مگر کبھی بھی رہنما کا تصور نہیں بدلا کبھی بھی کوئی بغیر کسی قائد کے رہ نہیں پایا۔ قائد و حاکم کے اختیارات اور ان کے استعمال پر تو ابحاث موجود ہیں مگر حاکم کے اپنے وجود کی نفی کسی نے نہیں کی کیوں کہ ہمیشہ سے کسی ایک نے کئی ساروں کی قیادت کی ہے اور سبھی مشکلات کو اپنے سر لے کر باقیوں کے واسطے سہولت ضرور کی ہے۔ تو ایسے میں اگر رہنما کا کردار عمدہ ہو گا تو لامحالہ اس کے پیروؤں کا بھی اجتماعی کردار اعلیٰ ہو گا اور وہ سب بہترین معاشرے کی مثال ہوں گے جبکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم ہی جابر و ظالم تھا تو جب اس کے ماننے والے کوئی اقدام کرتے ہیں تو اس ظلم و بربریت کا اظہار ان سے ضرور ہوتا ہے۔ لہٰذا رہنما کا عالی کردار اور باوصف ہونا نہایت ضروری ہے۔ لازم ہے کہ اس کے واسطے ایسے قائدین کی مثالیں عمل کرنے کو ہوں جو اپنے کردار کے اعتبار سے ہمیشہ برتر رہے ہیں اور مختصر بات کروں تو ایسی ایک ہی ذات ہے جو ہر لحاظ سے قابلِ تعظیم و تقلید ہے اور وہ جانانِ عالم ﷺ کی ذات بابرکت ہے جس کے واسطے خود خالقِ عالم نے فرمادیا ہے کہ " وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ " (اور بے شک تم اخلاق کے بہترین درجے پر ہو)۔[23]

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا، ترے خِلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا، ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

لیکن ان ذمہ داریوں سے ناآشنا جب تک رہیں گے ہم دنیا میں ذلیل و رسواہی ہوتے رہیں گے آج بھی ہم خود پر غور کریں تو ہم میں بہت سے نقائص موجود ہیں جیسے

علم اور عمل کا فرق :(knowing-doing gap) ہم جانتے ہیں کہ نماز پڑھنی چاہیے لیکن پڑھتے نہیں۔ جانتے ہیں جھوٹ برا ہے لیکن بولتے ہیں۔ یہ مسئلہ صرف اسلامی نہیں بلکہ عالمی ہے۔ نیورو سائنس کے مطابق جب ہم کسی بری عادت کو بار بار دہراتے ہیں تو دماغ میں ایک مضبوط neural pathway بن جاتی ہے۔ اس pathway کو توڑنے کے لیے فوری طور پر اس کے برعکس عمل کرنا پڑتا ہے، جسے "long-term depression" کہتے ہیں۔

---

[22] سورہ البقرہ، 2:195

[23] سورہ القلم، 68:4

تکبر اور خود پسندی: جب کسی شخص کو لگتا ہے کہ وہ دوسروں سے بہتر ہے تو اس کے دماغ میں serotonin کی سطح کم ہو جاتی ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ تکبر دراصل کمزوری کی علامت ہے، طاقت کی نہیں۔

غصے پر قابو نہ پانا: جب ہمیں غصہ آتا ہے تو amygdala دماغ کا جذباتی مرکز prefrontal cortex (سوچ کا مرکز) پر غالب آجاتا ہے۔ اس حالت میں انسان وہ کر بیٹھتا ہے جس پر بعد میں پچھتاوا ہوتا ہے۔

تکرارِ گناہ اور توبہ میں تاخیر: ہم گناہ کرتے ہیں اور پھر سوچتے ہیں کہ بعد میں توبہ کر لیں گے۔ نیورو سائنس کے مطابق گناہ کے فوراً بعد اچھا کام کرنا (جیسے توبہ، صدقہ، یا کوئی نیکی) بری عادت کے neural pathway کو کمزور کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ " (تم جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور برائی کے بعد نیکی کرو وہ اس (برائی) کو مٹا دے گی، اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ)۔[24]

علماء اور نیورو سائنسدانوں نے ثابت کیا ہے کہ (repetition) تکرار، (attention) توجہ، اور (emotion) جذبہ تین ایسے عوامل ہیں جو دماغ کو بدل سکتے ہیں۔ قرآن نے انہی تینوں عوامل کو عبادات میں رکھا ہے۔

اختتامیہ:

یہاں پر اپنے مضمون کا اختتام کرتے ہیں اور طائرانہ خلاصہ پیش کرتے ہوئے ایک بار پھر دہرا دیں کہ کسی بھی فرد پر اثر انداز ہونے والے محرکات سے اس کے باطن میں پیدا ہونے والی پائدار خصلتیں اس کی صفات کہلاتی ہیں اور انہی صفات کا عملاً اظہار کسی بھی شخص کا اخلاق ہوتا ہے لہٰذا بہترین اخلاق والے کا مثالی کردار اسے باقیوں کے واسطے لائق عمل اور نمونہ بناتا ہے اور یوں وہ شخص لوگوں میں لیڈر، قائد، رہنما یا پھر ایلفا کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ ہر باشعور انسان پر یہ لازم ہے کہ اپنا مقصدِ وجود جانے اس کو سمجھے اور اپنی استطاعت کے مطابق اپنے فرائض سر انجام دے نیز بہترین تکمیل کردار کے واسطے کسی شخص کو نمونہ نہ بنائے بلکہ صرف آقائے عالم ﷺ کی سیرت پر عمل کرے اور اپنی ذات سے اس بات کا مصداق بن جائے کہ اگر تم اقوامِ عالم کی امامت کرنا چاہتے ہو اگر تم قائد بننا چاہتے ہو اگر تم جہاں پر جہاں گیری کرنا چاہتے ہو تو

"رکھ کر نبی کو سامنے آرائشِ کردار کر"

---

[24] مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، حدیث: 5083